جناب ثروت صولت

ترکی ادب پر ایک نظر

ہمارے ملک کی تاریخ کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اگرچہ محمود غزنوی سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک اس ملک کے فاتح اور فرماں روا اور اس برعظیم کے مختلف حصوں میں قائم ہونے والی سلطنتوں کے بیشتر مسلمان حکمران نسلاً ترک تھے اور ترکی ان کی مادری زبان تھی لیکن ترکی زبان کو نہ تو دربار میں جگہ ملی، نہ عالموں اور ادیبوں کی محفلوں میں، اور نہ عوام الناس کے میلوں ٹھیلوں میں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں آج تک وہی پرانا مصرع زبان زدِ عام ہے:

زبان یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم

اس ساری داستان میں اگر کوئی خوش آئند پہلو ہے تو وہ یہ ہے کہ ترکی زبان سے اس اجنبیت کے باوجود ہمارے یہاں اس زبان سے محبت پائی جاتی ہے جو بظاہر نظر نہیں آتی، کیونکہ یہ دل کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی ہے۔ شاعر نے شاید اسی محبت کا اظہار دوسرے مصرع میں اس طرح کیا ہے:

چہ خوش بودے اگر بودے زبانش در دہانِ من

اسی محبت کا اظہار اردو ادب میں سجاد حیدر یلدرم کی شخصیت میں ہوا اور اسی محبت کے جذبے سے متاثر ہو کر میں اس مضمون[1] کے ذریعہ ترکی ادب کا تعارف کرا رہا ہوں۔

---

[1] یہ مضمون حسبِ ذیل ماخذ پر مبنی ہے۔

(۱) خالدہ ادیب خانم کی کتاب: "ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش" کے وہ دو باب جو ترکی ادبیات سے متعلق ہیں۔

(۲) مشہور ترکی محقق ڈاکٹر محمد فواد کوپرلو مرحوم کا طویل و بسیط مقالہ جو انہوں نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

ترک قوم اور ترکی زبان اگرچہ بہت پرانی ہے لیکن ترکی ادب زیادہ پرانا نہیں ہے۔ منگولیا میں اُورخون کے مقام پر دریافت ہونے والے کتبے جو ترکی ادبی تحریر کا قدیم ترین نمونہ سمجھے جاتے ہیں صرف تیرہ سو سال پرانے ہیں اور یہ اس زمانے میں لکھے گئے تھے جب اسلامی دنیا میں اموی حکمراں ہشام بن عبد الملک خلیفہ تھا۔ ترک ابھی من حیث القوم مسلمان نہیں ہوئے تھے اور یہ کتبے بھی ایک ایسے علاقے سے تعلق رکھتے تھے جو کبھی مسلم اقتدار کے تحت نہیں آیا۔

ان کتبوں سے اگرچہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ترکی زبان ساتویں صدی سے کئی سو سال پہلے ایک مکمل زبان کی شکل اختیار کر چکی تھی، لیکن اس کے باوجود ترکی زبان میں ادبی سرمایہ ان کتبوں کے بعد بھی کئی سو سال تک نہ ہونے کے برابر تھا۔ ترکی ادب دراصل فارسی ادب کی طرح اسلامی عہد کی پیداوار ہے یعنی ترکی زبان میں تصنیف و تالیف کا آغاز اس وقت ہوا جب ترک بحیثیت ایک قوم اسلام قبول کر چکے تھے اور ترکی زبان کے لیے عربی رسم الخط اختیار کر لیا گیا تھا۔ اسلام نے عربوں اور ایرانیوں کی طرح ترکوں کی ذہنی صلاحیتوں کو بھی مہمیز کیا۔

وسط ایشیا کے ترکوں میں پہلی صدی ہجری سے اسلام پھیلنا شروع ہو گیا تھا اور چوتھی صدی ہجری کے آخر تک ترکوں کی اکثریت اسلام قبول کر چکی تھی۔ پانچویں صدی میں اسلامی دنیا کا بیشتر حصہ ترکوں کے سیاسی اقتدار کے تحت آ گیا۔ ان ترک سلطنتوں میں غزنویوں اور سلجوقیوں کی

میں ترکی ادب کی تاریخ پر لکھا تھا۔

(۳) ہنگری کے مستشرق اور نومسلم پروفیسر عبد الکریم جرمانوس (A.K. GERMANUS) کی ترکی تاریخ اور ادب سے متعلق تقریریں جو انھوں نے حیدر آباد دکن میں کی تھیں اور جن کا اردو ترجمہ ۱۹۳۲ء میں "ترکوں کی اسلامی خدمات" کے نام سے انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن) نے شائع کیا۔

ان تین بڑے مآخذ کے بعد انسائیکلوپیڈیا آف اسلام اور انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کے ان مضامین سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے جو ترکی ادب اور ترکی ادیبوں سے متعلق مختلف عنوانات اور ناموں کے تحت لکھے گئے ہیں۔ ترکی زبان میں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ترکی ہی میں کچھ کتابچے، رسالے اور متفرق تحریریں بھی میرے پیش نظر رہی ہیں اور موجودہ دور کے ادیبوں اور شاعروں کا تعارف ان ہی آخری مآخذ پر مبنی ہے۔

حکومتوں کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ لیکن اس سیاسی غلبے کے باوجود ترک حکمرانوں نے ترکی کے بجائے عربی اور فارسی کی سرپرستی کی اور ان کے دور میں ترکی زبان ادبی اور علمی زبان نہیں بن سکی۔

ترکی ادب کا آغاز

ترکی زبان کی ادبی تاریخ کا حقیقی آغاز تیرہویں صدی سے ہوتا ہے جب ایشیائے کوچک کے بڑے حصے نے ایک چھوٹے ترکستان کی شکل اختیار کرلی تھی اور وہاں کی آبادی میں ترکوں کی اکثریت ہوگئی تھی۔ ۱۲۷۷ء میں قرامان کے حکمراں ادغلو محمد نے قونیہ پر قبضہ کرکے ترکی کو سرکاری زبان کی حیثیت دے دی۔ اس کے بعد ہی ایشیائے کوچک کی دوسری ترک ریاستوں نے بھی ترکی شاعروں اور ادیبوں کی سرپرستی شروع کردی۔ اسی زمانہ میں ایشیائے کوچک کے شمال مغربی حصہ میں عثمانی سلطنت کی بنیاد پڑی۔ اگلے دو سو سال میں ایشیائے کوچک کی تمام چھوٹی چھوٹی ریاستیں اس عظیم تر سلطنت کا ایک حصہ بن گئیں اور اس طرح ترکی زبان کو اپنے وقت کے سب سے بڑے حکمرانوں کی سرپرستی حاصل ہوگئی۔

عثمانی سلاطین علم و ادب کی سرپرستی کے معاملے میں کسی طرح دہلی کے مسلمان سلاطین سے کم نہیں تھے۔ مراد دوم سے لے کر سلیمان اعظم تک ان کا دربار عالموں، ادیبوں اور شاعروں کا مرجع تھا۔ ان کے وزیر اور والی بھی اپنی اپنی بساط کے مطابق علم و ادب کی سرپرستی کرتے تھے۔ عثمانی سلاطین کی ان کوششوں کے نتیجے میں استنبول، ترکی ادب کا دنیا میں سب سے بڑا مرکز بن گیا اور ترکی زبان، عربی اور فارسی کے بعد اسلامی دنیا کی تیسری بڑی زبان بن گئی۔

ترکی زبان میں تصنیف و تالیف کا آغاز قصے، کہانیوں، داستانوں اور جنگ ناموں سے ہوا جو نظم و نثر دونوں میں ہوتے تھے۔ اس کے بعد عربی اور فارسی کی نظم و نثر کی کتابوں کے ترجمے شروع ہوئے اور دو سو سال کی مدت میں یعنی ۱۴۰۰ء سے ۱۶۰۰ء تک عربی فارسی کی اچھی خاصی کتابیں ترکی زبان میں منتقل کی جا چکی تھیں۔ "کلیلہ و دمنہ"، "تذکرۃ الاولیا"، "قابوس نامہ"، "کیمیائے سعادت"، "وقایہ"، "ہدایہ"، "مثنوی مولانا روم"، ابن کثیر کی "تفسیر"، عوفی کی "جامع الحکایات" قزوینی، بطلیموس، ابوالفدا اور اصطخری کی تصانیف اور بے شمار دوسری کتابیں جو تفسیر، فقہ، تاریخ، سوانح، جغرافیہ اور ادب پر تھیں عربی اور فارسی سے ترکی میں ترجمہ کی گئیں۔ ترجمہ کے علاوہ

ترکی نظم و نثر میں مستقل تصانیف بھی شروع ہو گئیں لیکن ان کا اسلوبِ نگارش ایرانی تھا کیونکہ ایرانی ادیب اور شاعر ہی ابتدائی ترکی مصنفوں اور شاعروں کے لیے نمونے کا کام دیتے تھے۔

تین بڑے شاعر

چودھویں صدی میں ترکی میں تین ایسے شاعر ہوئے جن کو عظیم شاعر کہا جا سکتا ہے اور جنھوں نے بعد میں آنے والے شاعروں کو متاثر کیا۔ یہ یونس امرہ (متوفی ۱۳۲۰ء)، نسیمی (متوفی ۱۴۱۸ء) اور احمدی (۱۳۳۴ تا ۱۴۱۳ء) ہیں۔ یونس امرہ اور نسیمی صوفی شاعر تھے خصوصاً نسیمی نے صوفیانہ شاعری کو عروج پر پہنچا دیا۔ اس کے کلام میں جس میں مذہبی جذبات کی عکاسی کی گئی ہے بڑا حسن ہے۔ لیکن احمدی ان تینوں میں سب سے بڑا شاعر سمجھا جاتا ہے۔ اس کا "اسکندر نامہ" جو فارسی مثنویوں کے نمونے پر لکھا گیا ہے ترکی شاعری کا شاہکار ہے اور سولہویں صدی تک آذربائیجان اور ماوراء النہر تک میں ذوق و شوق سے پڑھا جاتا تھا۔ یونس امرہ، نسیمی اور احمدی کے بعد ترکی شاعری کا کلاسیکی دور شروع ہوتا ہے جو ۱۸۴۰ء تک جاری رہا۔

کلاسیکی دَور

پندرھویں صدی کے وسط تک ترکی شاعری میں انفرادیت پیدا ہو چکی تھی۔ اب فارسی شاعری کی ہو بہو نقل نہیں کی جاتی تھی بلکہ ترک شاعر صاحبِ طرز بن چکے تھے۔ اسی زمانے میں عربی اور فارسی الفاظ کثرت سے ترکی ادبی زبان میں داخل ہوئے۔ اس طرح ترکی زبان کے حسن میں اضافہ ہوا مگر ترکی شاعری اور ترکی ادبی تحریر عام لوگوں کی فہم سے بالا ہو گئی۔ اس دور کے شاعروں میں شیخی (متوفی ۱۴۲۸ء)، احمد پاشا برصالی (متوفی ۱۴۹۷ء) اور نجاتی (متوفی ۱۵۰۹ء) سب سے ممتاز ہیں۔ شیخی نے نظامی کی مثنوی "خسرو شیریں" کا منظوم ترجمہ کیا اور "خرنامہ" کے نام سے ایک نظم لکھی جو طنز کا شاہکار سمجھی جاتی ہے۔ احمد پاشا برصالی نے کلاسیکی ترکی عروض کی تکنیک کو بہتر بنایا۔ نجاتی نے غزل اور مرثیے نئے انداز میں لکھے اور بعد کے شاعروں کو متاثر کیا۔ نجاتی کلاسیکی عثمانی شاعری کے بانیوں میں سے ہے اور ترکی زبان کا پہلا بڑا غزل گو ہے۔

اسی زمانے میں ایشیائے کوچک سے دور وسط ایشیا میں بھی دو عظیم ادیب اور شاعر پیدا ہوئے۔ انھوں نے عثمانی ترکی کے بجائے چغتائی ترکی میں لکھا۔ یہ میر علی شیر نوائی (۱۴۴۱ تا ۱۵۰۱ء)

اور بابر (۱۴۸۳ تا ۱۵۳۰ء) ہیں۔ دونوں کے نام ترکی ادب کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔
نوائی کا شمار ترکی کے عظیم ترین شاعروں میں ہوتا ہے۔ اس نے نظامی کی طرز میں ترکی زبان میں پانچ مثنویاں لکھیں جو فنی لحاظ سے بھی بلند پایہ ہیں۔ نوائی جتنا بڑا شاعر تھا اتنا ہی بڑا نثر نویس بھی۔ اس نے اپنی ادبی تحریروں سے ترکی زبان کو فارسی کے ہم پلہ بنا دیا اور پہلی مرتبہ ترکی زبان کی علمی، ادبی اور لغوی عظمت کو آشکار کیا۔ بابر بحیثیت شاعر نوائی کے مرتبہ کا نہیں ہے لیکن ایک نثر نویس کی حیثیت سے اس کا مقام ترکی ادب کی تاریخ میں لافانی ہے۔ اس کی "تزک" سوانح نگاری کا ایک شاہکار ہے۔

کلاسیکی ادب کا عہدِ زریں

سولہویں صدی میں عثمانی سلطنت انتہائے عروج پر پہنچ گئی۔ لیکن یہ صدی عثمانیوں کے صرف سیاسی عروج کی صدی نہیں ہے بلکہ کلاسیکی ترکی ادب کا عہدِ زریں بھی ہے۔ نظم و نثر دونوں میں کثرت سے کتابیں لکھی گئیں۔ جغرافیہ اور تاریخ پر بطلیموس، قزوینی، اصطخری اور ابوالفدا کی کتابوں کا عربی سے ترکی میں ترجمہ کیا گیا۔ جغرافیہ اور سیاحت پر پہلی مرتبہ کتابیں لکھی گئیں اور ترکی زبان کے شاعروں اور مصنفوں کا پہلا تذکرہ "ہشت بہشت" بھی اسی صدی (۱۵۳۸ء) میں لکھا گیا۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اسی صدی میں سکندر لودھی اور اکبر کے عہد میں بھی برصغیر میں علمی و ادبی سرگرمیاں پورے عروج پر تھیں اور یہ بات بغیر کسی مبالغے کے کہی جا سکتی ہے کہ سولہویں صدی کے ترکی زبان کے شاہکار کسی طرح برصغیر کے فارسی شاہکاروں سے کم نہیں۔

اس صدی کے شاعروں میں ذاتی (متوفی ۱۵۴۶ء) خیالی (متوفی ۱۵۵۷ء) باقی (۱۵۲۶ تا ۱۶۰۰ء) اور فضولی (متوفی ۱۵۵۶ء) سب سے نمایاں ہیں۔ ذاتی، مثنوی "شمع و پروانہ" کا خالق ہے۔ اس نے شاعری میں نئے تصورات داخل کیے جو اس کی مقبولیت کا باعث بنے۔ خیالی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ فنی لحاظ سے ذاتی سے بلند تھا۔ اس کو روم کا حافظ کہا جاتا ہے۔ فضولی کو کلاسیکی ترکی کا سب سے بڑا شاعر سمجھا جاتا ہے۔ وہ بلا شک و شبہ ترکی زبان کا سب سے بڑا غزل گو ہے۔ اس پر صوفیانہ رنگ غالب ہے اور اس کے کلام میں وہ تصنع نہیں ہے جو اس زمانے کی فارسی شاعری کے زیرِ اثر ترکی میں عام تھا۔ فضولی کے "دیوان"

اور " مثنوی لیلیٰ مجنوں " کی بدولت ترکی ادب میں فضولی کو مستقل جگہ مل گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نسیمی اور نوائی کے علاوہ کسی اور ترکی شاعر نے فضولی کے برابر شہرت حاصل نہیں کی۔ باقی، فضولی کا حریف تھا۔ اس کے قصائد، مراثی اور غزلیں انتہائی مکمل ہیں اور اس کی بے عیب شاعری نے اس کو کلاسیکی شاعری کا استاد بنا دیا۔ فواد کوپرلو کا خیال ہے کہ باقی جذبات کے اظہار میں فضولی سے کمتر ہے لیکن اس کے کلام میں غنائیت فضولی سے زیادہ ہے۔

دور جدید سے پہلے نثر نگاری میں ترکوں نے سب سے اچھے نمونے تاریخ نویسی کی شکل میں پیش کیے ہیں۔ اس صدی کی نثر میں سب سے نمایاں نام کمال پاشا زادہ (۱۴۶۸ تا ۱۵۳۴ء) خواجہ سعد الدین (۱۵۳۶ تا ۱۵۹۹ء) اور مصطفےٰ علی چلپی (۱۵۴۱ تا ۱۶۰۰ء) کے ہیں۔ کمال تقریباً تین سو کتابوں اور کتابچوں کے مصنف تھے لیکن جس چیز نے ان کو شہرت دوام دی وہ دولت عثمانیہ کی تفصیلی تاریخ بعنوان "تواریخ آل عثمان" ہے۔ خواجہ سعد الدین کی "تاج التواریخ" انشا پردازی کا اعلیٰ نمونہ سمجھی جاتی ہے۔ اس میں سہل زبان لکھنے کی بجائے مرصع کاری کی گئی ہے۔ اس زمانے میں یہی انداز زیادہ پسندیدہ سمجھا جاتا تھا۔ ہمارے یہاں اس کا نمونہ ابو الفضل اور عبد الحمید لاہوری کے ہاں ملتا ہے۔ کمال اور سعد الدین اگرچہ عثمانی تاریخ نویسی میں صف اوّل کے مصنف ہیں لیکن سولہویں صدی کا سب سے بڑا مؤرخ مصطفےٰ علی چلپی کو سمجھا جاتا ہے انھوں نے تاریخ وسوانح لکھنے کے علاوہ اپنے عہد کے معاشرے پر بھی نظر ڈالی ہے۔ زبان آسان ہے اور واقعات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ "کنہہ الاخبار" "نصیحۃ السلاطین" "مناقب ہنروان" اور "قواعد المجالس" ان کی مشہور کتابیں ہیں۔

اس دور کے مصنفوں میں امیر البحر سدی علی کا کام ہمارے لیے اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس کے سفر نامے "مراۃ الممالک" کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

سترھویں صدی کا ادب

سترہویں صدی جس طرح عثمانی سلطنت کے عروج کی آخری صدی ہے اسی طرح کلاسیکی ترکی ادب کے عروج کی بھی آخری صدی ہے۔ اس دور کے شاعروں میں سب سے نمایاں شاعر نفعی (متوفی ۱۶۳۵ء) نائلی (متوفی ۱۶۶۸ء) اور نابی (متوفی ۱۷۱۲ء) ہیں۔ یہ تمام شاعر

اپنی انفرادی خصوصیت کے باوجود ہندوستان اور ایران کے فارسی شاعروں سے متاثر تھے چنانچہ نفعی پر عرفی کا اور نابی پر صائب کا اثر نمایاں ہے۔ نفعی کو اس کی قوت تخیل اور زبان پر عبور کی بنا پر ترکی کے بہترین قصیدہ گو شاعروں میں شمار کیا جاتا ہے اور وہ ترکی زبان کا سب سے بڑا طنز گو شاعر ہے۔ نائلی جس کے بارے میں ایک کتابچے کا اردو میں ترجمہ ہو گیا ہے شوکت الفاظ کا دلدادہ ہے۔ اور نابی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کی شاعری جذبات سے زیادہ ذہن کو اپیل کرتی ہے۔ اس صدی کی ترکی شاعری کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ معیار کے لحاظ سے اس صدی کی فارسی شاعری سے کسی طرح کم مرتبہ نہیں ہے۔

سترہویں صدی کی ادبی نثر ان ہی راستوں پر گامزن رہی جن پر گذشتہ صدی میں تھی انشا پردازی نے زبان کے تصنع کو اور بھی زیادہ غلو کے درجے تک پہنچا دیا۔ اس صدی کے سب سے بڑے نثر نگار حاجی خلیفہ (۱۶۰۸ تا ۱۶۵۷ء) اور اولیائے چلپی (۱۶۱۱ تا ۱۶۸۳ء) ہیں۔ حاجی خلیفہ غالباً پہلے ترک ادیب ہیں جن کو ترکی کے باہر پوری اسلامی دنیا میں شہرت حاصل ہوتی۔ انھوں نے ترکی کے علاوہ عربی اور فارسی میں بھی لکھا اور ان کی سب سے مشہور تصنیف ”کشف الظنون“ عربی میں ہے۔ حاجی خلیفہ ۲۲ کتابوں کے مصنف ہیں جو مختلف موضوعات پر ہیں۔ انھوں نے اپنی تصانیف ”میزان الحق“ اور ”دستور العمل“ میں خود کو ایک صاحب بصیرت مورخ ثابت کیا ہے۔ ان کی ایک اور تصنیف ”فضلکہ عثمانیوں“ کی قابل اعتماد تاریخ سمجھی جاتی ہے۔ ان کی کتاب ”جہاں نما“ فن جغرافیہ پر ہے اور اس میں پہلی مرتبہ یورپی ماخذ سے مدد لی گئی ہے اور امریکہ کے حالات بھی لکھے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے عثمانی بحریہ کی تاریخ بھی لکھی۔ ترکی کی مجلس تاریخ نے ۱۹۵۷ء میں ان کی سہ صد سالہ برسی پر ایک کتاب شائع کی ہے۔

اولیائے چلپی اسلامی دنیا کا آخری بڑا سیاح ہے۔ چلپی کا سیاحت نامہ جو چھ ہزار صفحات پر مشتمل ہے ترکی ادب کا شاہکار ہے۔ زبان سادہ، بے ساختہ اور پر تخیل ہے اور اس عہد کی معاشرتی زندگی کے ہر پہلو کی بڑی تفصیل سے نقشہ کشی کی گئی ہے۔

کلاسیکی ادب کا زوال

اٹھارہویں صدی میں کلاسیکی ترکی نظم و نثر دونوں رو بہ زوال ہو گئی تھیں۔ لیکن پھر بھی ہمیں اس صدی میں تین بڑے شاعر اور ادیب نظر آتے ہیں۔ یہ ندیم، شیخ غالب اور مصطفےٰ نعیما ہیں۔

ندیم (۱۶۸۱ تا ۱۷۳۰ء) کلاسیکی دور کے پانچ سب سے بڑے شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اپنی خالص، سادہ اور خوبصورت زبان کی وجہ سے ان کو آج بھی پسند کیا جاتا ہے۔ ندیم اپنے اچھوتے مضامین، پرمایہ تخیل اور ہم آہنگیِ الفاظ کی بدولت اپنے پیش رووں اور معاصروں سے گوئے سبقت لے گئے۔

شیخ غالب (۱۷۵۷ تا ۱۷۹۹ء) جو غالب دیدے کے نام سے زیادہ مشہور ہیں اٹھارویں صدی کے نصف آخر سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ آخری بڑے کلاسیکی شاعر سمجھے جاتے ہیں اور باقی، فضولی نفعی اور ندیم کو شامل کرکے ان کا شمار کلاسیکی دور کے پانچ سب سے بڑے شاعروں میں ہوتا ہے مثنوی اس صدی میں رو بہ زوال تھی لیکن غالب دیدے کی عظمت کی بنیاد ان کی مثنوی "حسن و عشق" ہی ہے۔ یہ مثنوی انھوں نے ۲۶ سال کی عمر میں لکھی تھی اور ان کی تخلیقی صلاحیت، رنگین تشبیہوں، اچھوتے استعاروں کے استعمال اور طرز بیان نے ترکی ادب میں ایک نئی جان ڈال دی۔ عثمانی دور کی کوئی مثنوی ندرتِ خیال کے لحاظ سے "حسن و عشق" کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

اس صدی کے نثر نگاروں میں سب سے ممتاز مصطفےٰ نعیما (۱۶۵۵ تا ۱۷۱۶ء) ہیں۔ ان کو سب سے بڑا ترک مورخ کہا جاتا ہے۔ وصف نگاری اور تاریخی کرداروں کا نفسیاتی تجزیہ کرنے میں ان کو بڑی قدرت حاصل ہے۔ عثمانی تاریخ سے متعلق ان کی کتاب صحیح اور بے لاگ تاریخ سمجھی جاتی ہے۔ اس کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔

عہدِ تنظیمات کا ادب

انیسویں صدی کے نصف اول میں نظم اور نثر دونوں میں ہمیں لکھنے والوں کی کثرت نظر آتی ہے مگر دونوں کا معیار گر چکا تھا۔ تاہم اصلاح و تجدید کی آوازیں بھی بلند ہونا شروع ہو گئی تھیں چھاپہ خانہ ۱۷۲۶ء ہی میں قائم ہو چکا تھا اور عثمان زادہ تائب پچھلی صدی کے آخر میں مبالغہ آمیز اور پر تصنع اسلوب نگارش کے خلاف آواز بلند کر چکے تھے۔ ۱۸۲۲ء میں حکومت نے مغربی زبانوں

سے کتابوں کو ترکی میں ترجمہ کرنے کے لیے ایک شعبہ قائم کیا اور اس طرح ترکی ادب کی تجدید و اصلاح کا کام ایک قدم اور آگے بڑھا۔ انیسویں صدی میں ترکی ادب میں انقلابی تبدیلیاں اس دور میں آئیں جس کو تنظیمات کا دور کہا جاتا ہے۔ اس دور میں یورپی زبانوں کے علاوہ عربی اور فارسی سے بھی بے شمار کتابیں ترجمہ کی گئیں اور ترک ادیبوں اور شاعروں نے پرانی روش سے ہٹ کر نئے نئے تجربے کیے جن کے نتیجے میں جدید ترکی ادب کی بنیاد پڑی۔ اس دور کے ادیبوں میں ابراہیم شناسی (۱۸۲۱ تا ۱۸۷۱ء)، نامق کمال (۱۸۴۰ تا ۱۸۸۸ء)، عبدالحق حامد (۱۸۵۲ تا ۱۹۳۷ء) اور توفیق فکرت (۱۸۶۷ تا ۱۹۱۵ء) کے نام بہت مشہور ہیں۔ ان ادیبوں کی حیثیت جدید ترکی ادب میں ویسی ہی ہے جیسی اُردو میں سرسید، نذیر احمد، حالی اور محمد حسین آزاد کی ہے۔ ابراہیم شناسی نئے ادبی دبستان کے بانی ہیں اور نامق کمال اس کے گلِ سرسبد۔ خالدہ ادیب کے الفاظ میں نامق کمال ادب کی ہر نئی صنف میں پیشرو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے ڈرامے "جلال الدین خوارزم شاہ" کا اردو میں سجاد حیدر یلدرم نے ترجمہ کیا ہے۔ عبدالحق حامد کے بارے میں خالدہ ادیب نے لکھا ہے کہ "اگر ان کی تصانیف کا مغربی زبانوں میں ترجمہ ہو جائے تو عبدالحق حامد کو بین الاقوامی شخصیت تسلیم کر لیا جائے گا۔"

ان ادیبوں اور شاعروں اور اُن کے ساتھیوں کی کوششوں سے شاعری میں عروضی اوزان میں تبدیلی آئی اور ترکی شاعری نئے اصناف سے متعارف ہوئی۔ ڈرامہ، افسانہ اور ناول نویسی کا آغاز ہوا اور ترکی میں جدید انداز میں تحقیق و تنقید کی ابتدا ہوئی۔ اردو میں چونکہ ان ادیبوں پر اچھا خاصا لکھا جا چکا ہے اس لیے ان کے بارے میں مزید کچھ کہنے کی بجائے اس نئے ادب اور ان نئے ادیبوں کا تعارف کرانا زیادہ مناسب ہے جو مذکورہ بالا ادیبوں کی تحریک کے نتیجے میں ظہور میں آئے اور جن کے بارے میں ہماری معلومات بہت محدود ہیں۔

جدید دَور کا ادب

نئے دَور کے شاعروں میں اُورخان ولی کانیک (۱۹۱۴ تا ۱۹۵۰ء) کا نام نمایاں ہے۔ وہ نئی شاعری کے پیشرو ہیں۔ انھوں نے آزاد شاعری کا از سرِ نو تعارف کرایا اور موضوع کو وسعت دی۔ اُن کی نسل کے بیشتر شاعروں نے ان کی زبان اور تکنیک استعمال کی۔

آزاد نظم کو رواج دینے میں ناظم حکمت ران (۱۹۰۲ تا ۱۹۶۳ء) کا بھی بڑا حصہ ہے۔ ان کی نظمیں بحر اور قافیہ سے آزاد ہیں۔ وہ اشتراکی نظریات کے حامل تھے۔ ان کی نظموں کا فرانسیسی میں ترجمہ ہو گیا ہے۔ ناظم حکمت شاعر کے علاوہ ایک بلند پایہ ڈرامہ نگار بھی تھے۔

فاروق نفیز ایک رومانی شاعر ہیں۔ ۱۹۲۰ اور ۱۹۳۰ کے درمیان وہ ترکی کے سب سے مقبول شاعر تھے۔

جن شاعروں نے روایات کو نظر انداز کیے بغیر ترکی شاعری کو مالامال کیا۔ ان میں حسب ذیل شاعر ممتاز ہیں۔

احمد حمدی تانپونار (۱۹۰۱ تا ۱۹۶۲) ۔ انھوں نے الفاظ کے انتخاب اور نازک تشبیہ اور استعارات کے ذریعہ عروضی اوزان میں موسیقی کا جادو جگایا ہے۔

ج۔ س۔ تارانجہ (۱۹۱۰ تا ۱۹۵۶) انھوں نے انسانی رنج و غم کے موضوع کو پر زور انداز میں پیش کیا۔

فاضل حُسنو داغ لارجہ (پیدائش ۱۹۱۲) بڑے ہمہ گیر اور باکمال شاعر ہیں۔ ان کی غزلوں اور رزمیہ نظموں میں جدت اور انوکھا پن ہے۔ ان کے کلام میں روحانی کرب اور بے چینی پائی جاتی ہے۔ غالباً وہ زندہ شاعروں میں سب سے بڑے شاعر ہیں۔

ان تمام شاعروں نے جدید شاعری کو تنوع بخشا اور اس کا مرتبہ بلند کیا لیکن جن شاعروں کو سب سے زیادہ مقبولیتِ عامہ حاصل ہوئی اور جو موجودہ صدی کے سب سے بڑے تین شاعر شمار کیے جاتے ہیں وہ احمد راسم، محمد عاکف (۱۸۷۳ تا ۱۹۳۶ء) اور یحییٰ کمال بیاتلی (۱۸۸۴ تا ۱۹۵۸) ہیں۔ احمد راسم فن برائے فن کے نظریے کے حامی تھے اور علامات اور اشاروں کے ذریعہ اپنا مفہوم ظاہر کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے کلام میں عروضی اوزان کی پوری پابندی کی ہے۔

محمد عاکف ترکی کے اقبال ہیں۔ ان کو عروضی اوزان کا بے نظیر استاد سمجھا جاتا ہے۔ وہ ترک قوم پرستی کے مخالف اور اتحادِ اسلامی کے حامی تھے اور ترکی کے سیاسی اور سماجی ڈھانچے کو اسلامی اقدار کے مطابق ڈھالنا چاہتے تھے۔ ترکی کا قومی ترانہ محمد عاکف ہی کا لکھا ہوا ہے۔

ان سے متعلق ایک ترک مصنف کی کتاب کا حال ہی میں اردو میں ترجمہ ہوا ہے۔

یحییٰ کمال بیا تلی پاکستان میں ترکی کے پہلے سفیر تھے۔ وہ بھی فن برائے فن کے نظریے کے حامی تھے۔ ان کے کلام میں قدیم اور جدید کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ بیا تلی کو موجودہ صدی کا سب سے بڑا شاعر سمجھا جاتا ہے۔ بعض نقاد تو ان ہی کو فضولی کے بعد ترکی زبان کا سب سے بڑا شاعر قرار دیتے ہیں۔

ترکی افسانہ اور ناول

عہدِ تنظیمات اور اس کے بعد کے زمانہ میں مغربی زبانوں سے ترکی زبان میں بکثرت ترجمے کیے گئے اور اس وقت صورت یہ ہے کہ یونان قدیم سے لے کر جدید دور تک یورپ کی تمام زبانوں کے ادبی شاہکار ترکی میں منتقل ہو چکے ہیں۔ ان ترجموں نے ترکی ادب پر گہرا اثر ڈالا ہے اور اس طرح ترک پہلی مرتبہ نہ صرف جدید افسانہ نگاری، ناول نویسی، ڈرامے اور فنِ تنقید سے متعارف ہو گئے ہیں بلکہ یورپ کے تخیل، نظریات، ادبی معیار اور فنِ تنقید سے بھی متاثر ہوئے ہیں۔ ان پر سب سے گہرا اثر فرانسیسی ادب کا ہے۔

جدید ترکی نثر میں اگرچہ ہر موضوع پر لکھا گیا ہے لیکن ترک ادیبوں نے سب سے زیادہ ترقی افسانہ نگاری اور ناول نویسی کے فن میں کی ہے۔ ان اصناف میں وہ آج دنیا میں کسی سے پیچھے نہیں۔ پروفیسر عبدالکریم جرمانوس لکھتے ہیں کہ "یورپی ادبیات کے بہترین شاہکار عربی میں ترجمہ ہو چکے ہیں لیکن اب تک کوئی ممتاز عربی ناول نویس پیدا نہیں ہوا۔ لہٰذا اسے ترکوں کی ذہانت کا کمال سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنے فرانسیسی حریف کا مقابلہ کر سکتے۔" گذشتہ ایک صدی میں ترکی میں جو بکثرت ناول نگار اور ادیب ہوئے ہیں ان سب کا تذکرہ اس مختصر سے مضمون میں ممکن نہیں۔ یہاں صرف ان ممتاز ترین ادیبوں کا تعارف کروایا جا سکتا ہے جنھوں نے ترکی ادب پر گہرا اثر ڈالا ہے۔

جدید دور کے ترک مصنفوں میں احمد مدحت (۱۸۴۴ تا ۱۹۱۲ء) کا نام سرِفہرست ہے۔ وہ تقریباً ڈیڑھ سو کتابوں کے مصنف تھے جن میں ایک سو سے زیادہ صرف ناول تھے۔ اگرچہ ان کتابوں کی علمی اور ادبی قیمت اتنی زیادہ نہیں لیکن بقول ایک ترک نقاد کے ان کتابوں نے ذہنی جمود توڑا اور ناول پڑھنے کا شوق پیدا کیا۔

سزائی اور رجائی زادہ اکرم (۱۸۴۷ تا ۱۹۱۴) ایک نئے دور کے بانی ہیں جن میں مغربی خیالات و رجحانات ترکی نظم و نثر پر اثر انداز ہونے لگے۔ سزائی کو ترکی ناول نویسی کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ ان کا نفسیاتی مشاہدہ گہرا ہے۔ ان کو ترکی کا "الفونس دودے" (ALPHONSE DAUDET) کہا جاتا ہے۔ رجائی زادہ اکرم نے فرانسیسی ادبی نمونوں کے انداز میں منظوم افسانے لکھے۔

احمد حکمت (۱۸۷۰ تا ۱۹۲۷) اور حسین جاہد نے سادہ زبان میں افسانے لکھے۔ احمد حکمت کے افسانوں کا ایک مشہور مجموعہ "خارستان و گلستان" ہے جس کے تین افسانے جرمن زبان میں ترجمہ ہو گئے ہیں۔ ان کے ناول ثالث بالخیر کا ترجمہ یلدرم نے اردو میں کیا ہے۔

حسین رحمی گورپنار (۱۸۶۴ تا ۱۹۴۴) تیس سے زیادہ ناولوں کے مصنف ہیں۔ فرانسیسی ناولوں کا ترجمہ بھی کیا۔ آزاد اسلوب کے مالک ہیں۔ استنبول کے متوسط اور زیریں طبقہ کی معاشرت کا نقشہ بڑی چابک دستی سے کھینچا ہے۔ خالدہ ادیب ان کو موجودہ صدی کے ابتدائی تیس سالوں کا سب سے بڑا ناول نگار سمجھتی ہیں اور عبدالکریم جرمانوس کے خیال میں وہ ترکی کے ایمیل زولا (EMILE ZOLA) ہیں۔

خالد ضیا اشاکلی گل (۱۸۶۶ تا ۱۹۴۵) ترکی میں جدید یوروپی ناول کے پہلے حقیقی ترجمان سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے کردار اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ فن برائے فن کے نظریے کے علمبردار ہیں۔ ان کا ناول "ایک مرے ہوئے آدمی کی ڈائری" کا جرمن زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے لیکن ان کا شاہکار ایک اور ناول "اشک ممنوع" ہے۔ اشاکلی گل مشرقی اور اسلامی فکر کے مخالف ہیں۔

شہاب الدین علی (۱۹۰۷ تا ۱۹۴۹) نے اناطولیہ کی دیہی زندگی کے حقیقت پسندانہ خاکے پیش کئے ہیں۔ اگرچہ انھوں نے زیادہ عمر نہیں پائی لیکن پروفیسر جرمانوس کا کہنا ہے کہ "ان کی تصانیف کو اول درجہ کی انگریزی اور فرانسیسی تصانیف کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے"۔

یعقوب قادری قراعثمان اوغلو (پیدائش ۱۸۸۸ء) جدید ترکی کے ہمہ گیر مطالعہ کی وجہ سے ممتاز ہیں۔ ان کے ناول "سدوم و غمورہ" کا فرانسیسی میں اور "یابان" کا جرمن زبان میں ترجمہ ہو گیا ہے۔ ان کے اسلوب میں بڑی دلکشی اور زور ہے۔

رشاد نوری گنتکین (۱۸۹۲ تا ۱۹۵۶) دلکش اسلوب کے ناول نگار ہیں۔ خالد ضیا کے ناولوں کے بعد سب سے زیادہ شہرت رشاد نوری کے ناولوں نے حاصل کی۔ پروفیسر جرمانوس کے خیال میں ان کے ناول ہر حیثیت سے مغربی ناولوں کے مقابلے کے ہیں۔ ان کا ناول "چالی کوشو" اپنے زمانے کا مقبول ترین ناول ہے۔ اس ناول کا THE AUTOBIOGRAPHY OF A TURKISH GIRL کے عنوان سے اور ایک اور ناول کا AFTERNOON SUN کے عنوان سے انگریزی میں ترجمہ ہو گیا ہے۔

طنز و مزاح کے میدان میں عمر سیف الدین (۱۸۸۴ تا ۱۹۲۰) اور رفیق خالد (پیدائش ۱۸۸۸) کے نام نمایاں ہیں۔ ان دونوں کی تصانیف ترکی ادبیات میں زندۂ جاوید ہیں۔ عمر سیف الدین کا افسانہ "بومبا" ترکی قومی ادب کا شاہکار سمجھا جاتا ہے۔

اُورخان کمال (پیدائش ۱۹۱۴) جن کا ناول "زرخیز زمین" اناطولیہ کے کسان کی زندگی کا گہرا مطالعہ ہے۔ کمال طاہر (پیدائش ۱۹۱۰) جنھوں نے سماجی مسائل کا جائزہ لیا ہے۔ محمود مقال (پیدائش ۱۹۳۰) جن کا ناول "ہمارا گاؤں" وسطی اناطولیہ کے گاؤں کا بہت عمدہ خاکہ ہے اور یاشر کمال جنھوں نے لوک کہانیوں کی تکنیک کو بڑی خوبی سے استعمال کیا ہے، موجودہ ادیبوں میں ممتاز ہیں۔

ڈرامہ نگاروں میں رشاد نوری گنتکین، ابن الرفیق، احمد نور الدین، مصاحب زادہ جلال اور ناظم حکمت ران نے اعلیٰ درجے کے ڈرامے لکھے ہیں۔

ادب کی دوسری اصناف میں جن مصنفوں نے کمال پیدا کیا ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ احمد جودت (۱۸۲۲ تا ۱۸۹۵) کلاسیکی دور کے آخری مؤرخ ہیں۔ ان کی زبان سادہ اور خوبصورت ہے۔

۲۔ معلم ناجی (۱۸۵۰ تا ۱۸۹۳) نقاد، ادیب اور شاعر ہیں۔ تاریخ میں ایک پورا ادبی دور ان کے نام سے منسوب ہے۔ سیدھے اور صاف انداز کے استاد ہیں۔

۳۔ احمد راسم (۱۸۶۴ تا ۱۹۳۲) ایک سو چالیس کتابوں کے مصنف۔ فنکارانہ اسلوب کے مالک۔ ایک جامع اور ہمہ گیر مصنف ہیں۔ اور ایک مستقل مدرسۂ مصنفین کے بانی ہیں۔

ان کے مضامین کا موضوع عوام کی زندگی ہے۔

۴- موجودہ صدی میں ایتن۔ اتاج (۱۸۹۸ تا ۱۹۵۷) ادبی تنقید کے سب سے اچھے نمائندے سمجھے جاتے ہیں۔ وہ لسانی مصلح ہیں اور کئی با صلاحیت مصنف پیدا کرنے میں ان کا حصہ ہے۔ ایک نقاد کی حیثیت سے حسین جاہد کا بھی بڑا مقام ہے۔ انھوں نے لسانی مباحث پر تنقیدی نظر ڈالی اور فنونِ لطیفہ کے متعلق یورپی افکار و تصورات کو عام کیا۔

تاریخ اور تنقید میں اسماعیل حبیب اور فواد کوپرلو (۱۸۹۰ تا ۱۹۶۰) کے نام نظر انداز نہیں کیے جا سکتے۔ فواد کوپرلو نے ترکی ادب کی تاریخ کے کئی تاریک گوشوں پر روشنی ڈالی اور غالباً ترک نقادوں میں واحد مصنف ہیں جن کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی۔

الفہرست : از محمد بن اسحاق بن ندیم وراق۔ اردو ترجمہ : محمد اسحاق بھٹی

یہ کتاب چوتھی صدی ہجری تک کے علوم و فنون، سیر و رجال اور کتب و مصنفین کی مستند تاریخ ہے۔ اس میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں، قرآن مجید، نزولِ قرآن، جمع قرآن اور اس کے قراء۔ فصاحت و بلاغت و ادب و انشا اور اس کے مختلف مکاتبِ فکر، حدیث و فقہ اور اس کے تمام مدارسِ فکر، علم نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی و حساب، سحر و شعبدہ بازی، طب اور صنعتِ کیمیا وغیرہ تمام علوم، ان کے علما و ماہرین اور اس سلسلے کی تصنیفات کے بارے میں اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

علاوہ ازیں یہ واضح کیا گیا ہے کہ یہ علوم کب اور کیونکر عالم وجود میں آئے۔ پھر ہندوستان اور چین وغیرہ میں اس وقت جو مذاہب رائج تھے ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ نیز بتایا گیا ہے کہ اس دور میں دنیا کے کس کس خطے میں کیا کیا زبانیں رائج اور بولی جاتی تھیں اور ان کی تحریر و کتابت کے اسلوب کیا تھے۔ ان کی ابتدا کس طرح ہوئی اور وہ ترقی و ارتقا کی کن منازل سے گزریں۔ ان زبانوں کی کتابت کے نمونے بھی دیے گئے ہیں۔ ترجمہ اصل کتاب کے کئی نسخے سامنے رکھ کر کیا گیا ہے اور فاضل مترجم نے جگہ جگہ ضروری حواشی بھی دیے ہیں جس سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔ صفحات ۹۱۴، قیمت : ۲۲/۵۰ روپے

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور